رشید اختر

مسلمان مؤرخین

(۳)

ابوالفرج الاصبہانی

عرب تاریخ علی بن حسین ابوالفرج الاصبہانی کو کبھی فراموش نہ کر سکے گی۔ اس کے دامن میں الاغانی جیسی کتاب بھری۔ ابوالفرج الاصبہانی، اصبہانی الاصل مگر بغدادی المنشا تھے۔ ابن خلقان کے الفاظ میں وہ بہت بڑے ادیبوں میں سے تھے، انہوں نے بڑے علما کو دیکھا تھا اور دنیا جہاں کے علوم میں مہارت حاصل کی تھی۔[1]

ابن خلقان اور الخطیب نے مؤرخ تنوخی کا قول نقل کیا ہے کہ ابوالفرج کو شعر، اغانی، اخبار و آثار، احادیث المسندہ النسب، میں جتنی چیزیں حفظ تھیں اتنی کسی دوسرے کو نہ تھیں۔ تنوخی کا دعویٰ ہے کہ ان کے زمانہ میں ابوالفرج الاصبہانی کا کوئی ثانی نہ تھا۔ ان علوم کے علاوہ لغۃ، نحو، خرافات، السیر، المحاذی، علم الجوارح، طب، نجوم اور الشربہ میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ شاعر بھی تھے۔

الخطیب نے ابوالحسن سبتی کا قول نقل کیا ہے :۔ "لم یکن احدًا اوثق من ابی الفرج الاصبہانی۔"[2] "ابوالفرج اصبہانی سے زیادہ ثقہ مؤرخ کوئی دوسرا نہ تھا۔" خطیب نے ابوالفرج کے ایک مخالف عالم النوبختی کی رائے بھی لکھی ہے۔ مگر نوبختی کو ابوالفرج اصفہانی میں اس کے سوا کوئی اور عیب نظر نہ آیا تھا :۔ "کان یدخل سوق الوراقین وھی عامرۃ والدکاکین مملوءۃ بالکتب فیشتری شیئًا کثیرًا من الصحف ویحملھا الی بیتہ ثم تکون روایاتہ کلہا منہا۔"[3] ابوالفرج سوق وراقین میں آتے کتابوں سے بھری ہوئی دکانوں

---

[1] ابن خلقان جز ۳ ص۴۶۸ ؛ [2] الخطیب جز ۱۱ ص۳۹۹ ؛ [3] الخطیب جز ۱۱ ص۴۰۰

میں داخل ہوتے، اور بہت سی کتابیں خریدتے اور انہیں گھر لے جاتے۔ ان کی روایات ساری کی ساری ان کتابوں سے اخذ ہوئیں۔

التوبختی شاید یہ جانتے تھے کہ یہی تو اصفہانی کی وہ خصوصیت تھی جس نے انہیں تمام عالم میں ممتاز کر دیا تھا اور جس کے سبب ان کی تصنیف کتاب الاغانی، اس دور کی تصانیف میں سب سے بڑی تصنیف قرار پائی تھی۔ ان کی اسی کتاب کے متعلق ابن خلکان لکھتے ہیں:- الذی وقع الاتفاق علی انہ لم یعمل فی بابہ مثلہ' ۔ اس امر پر اتفاق ہے کہ اس باب میں ایسی کوئی دوسری کتاب نہیں لکھی گئی۔ یہ کتاب' ابوالفرج نے پچاس سال میں مرتب کی تھی، تصنیف کے بعد وہ سیف الدولہ کے پاس لائے۔ سیف الدولہ نے انھیں ایک ہزار دینار انعام دیئے۔

صاحب بن عباد کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ سفر کرتے تو کئی اونٹوں پر ان کی کتابیں لدی ہوتیں، لیکن جیسے ہی الاغانی ان کے پاس آئی تو پھر انھوں نے الاغانی کے سوا کوئی دوسری کتاب ساتھ نہ رکھی۔ اس کتاب نے تیس اونٹوں کے بوجھ برابر کتابوں کی نمائندگی کی۔[1]

حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب' نادر روزگار تصنیف ہے۔ یہ ہماری رائے نہیں' ابن خلکان اور یاقوت جیسے بڑے مصنفین کا خیال ہے۔ یاقوت تو ابوالفرج اور اس کی تصنیف کے بے حد مداح تھے۔ انھوں نے انکے ترجمہ میں لکھا:- لا اعلم لاحد احسن من تصانیفہ۔ فی فنہا وحسن استیعاب ما تصدی لجمعہ۔ الجامع بین سعۃ الروایۃ والحذق فی الدراستہ[2]" مجھے کسی ایسے آدمی کا علم نہیں ہے جس کی تصانیف ان سے بہتر ہوں۔ نہ فن میں اور نہ حسن ترتیب میں۔ انھوں نے سعۃ روایت اور حذق درراست میں تطابق پیدا کیا۔

الاغانی' اس صفت کا بہترین نمونہ ہے۔ عجیب بات ہے کہ ابوالفرج اصفہانی ان خوش نصیب مصنفین میں سے ہیں جن کی تصانیف ان کے زمانہ ہی میں بے حد مقبول ہوئیں۔ خصوصیت سے الاغانی کو تو لوگ سینے سے لگاتے تھے۔

---

[1] ابن خلکان جزء ۲ صفحہ ۴۶۔ [2] الیاقوت الحموی "معجم الادباء" صفحہ ۹۵۔

یاقوت نے کاتب عضد الدولہ کی روایت نقل کی ہے کہ عضد الدولہ کو الاغانی اس درجہ عزیز تھی کہ وہ اسے نہ سفر میں الگ کرتے اور نہ حضر میں۔ ہر وقت اسے ساتھ رکھتے اور جیسے ہی فرصت ملتی اس کو پڑھنے لگتے۔ الاغانی کے بارے میں یاقوت نے اپنی رائے لکھی ہے، کہتے ہیں۔

العمری۔ ان ھذا کتاب الجلیل القدر شائع الذکر جم الفوائد عظیم العلم وقد تاملت ھذا الکتاب وعنیت بہ وطالعتہ مرارا وکتبت منہ نسخۃ بخطی فی عشر مجلدات ونقلت منہ الی کتابی الموسوم باخبار الشعراء" مجھے اپنی عمر کی قسم، یہ کتاب بڑی جلیل القدر، بہت مشہور اور بے حد مفید ہے وہ علم کا خزانہ ہے۔ میں نے اس کتاب پر خوب سوچا اور اس کو پسند کیا۔ میں نے اسے کئی بار پڑھا اور اس کا ایک نسخہ اپنے ہاتھ سے اپنے لئے نقل کیا ہے یہ نسخہ دس جلدوں میں ہے۔ میں نے اس میں سے اپنی کتاب الموسوم باخبار الشعراء میں بہت سی باتیں نقل بھی کی ہیں۔

یہ یاقوت الحموی کی رائے ہے وہ چھٹی صدی ہجری کے بہت بڑے عالم اور غیر معمولی مورخ و جغرافیہ دان تھے، جن کی دونوں کتابیں "معجم الادباء" اور "معجم البلدان" اپنے موضوع پر بہترین تصانیف شمار کی گئی ہیں۔

یہ وہی الاغانی ہے جس کی تصنیف پر الحکم الاموی نے اصفہانی کو ایک ہزار اشرفیاں اندلس سے بھیجی تھیں[۲]۔ گو اصفہانی نے الاغانی کے علاوہ کئی اور کتابیں بھی لکھیں۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے۔ کہ الاغانی اپنی مثال آپ ہے۔ اس میں مشاہیر، اکابر، امرا کی سوانح سے لے کر تمام بڑے شعراء، تمام بڑی عورتوں، تمام ہنرمندوں اور آئمہ کے تذکرے ہیں۔ اور ہماری قوم کی اجتماعی زندگی پر اس جیسی کوئی اور تصنیف نہیں ہے۔ اگر الاغانی نہ ہوتی، تو ہمیں اس دور کی مجلسی زندگی کا قطعاً علم نہ ہوتا اور بہت سی باتوں کے علم سے ہم محروم رہتے۔ یہ کتاب ۲۱ جلدوں پر مشتمل ہے۔ جس کی ۲۰ جلدیں ۱۲۸۵ھ میں بولاق سے اور ۱۳۰۵ھ میں اکیسویں جلد لیڈن سے چھپی[۳]۔ مصر سے حال ہی میں اس کا ایک بہت اچھا

---

[۱] الیاقوت "معجم الادباء" جز ۱۳ صفحہ ۹۵، [۲] مقری ج اول "تذکرہ الحکم"، [۳] الکتفاء، ص ۳۲۔

ایڈیشن چھپا ہے۔ اس کے نام سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں غناؤں کے سوا کوئی اور بات نہ ہوگی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ عرب گیتوں، شعروں اور طرزوں کا ایک بہترین مجموعہ ہے۔ مگر درحقیقت یہ ہماری علمی، ذہنی، شعری، اجتماعی اور عمرانی زندگی کی ایک پوری تاریخ ہے۔ اس میں ہماری ہر بڑی شخصیت کا ذکر ملے گا۔ یہ ذکر پہلی صدی ہجری سے لے کر ابوالفرج اصفہانی کے زمانہ تک دراز ہے۔

گو الاغانی کی کئی روایات ایسی ہیں جن کی تصدیق یا تائید سے بعض علماء نے انحراف کیا ہے۔ لیکن جیسے کہ ہم نے یاقوت حموی، ابن خلکان، حتیٰ کہ الخطیب البغدادی کی روایات نقل کی ہیں، اصفہانی بہت بڑے ثقہ راوی تھے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ انہوں نے جن کتابوں سے معلومات جمع کی ہوں وہ اتنی ثقہ نہ ہوں۔ لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ انھوں نے اپنی طرف سے کوئی روایت وضع کر لی ہو۔ اس لئے کہ وہ بہت بڑے ثقہ عالم تھے اور ان کی ثقاہت کے بارے میں الخطیب کی ایک روایت نقل کی جا چکی ہے۔

یاقوت فرماتے ہیں کہ وہ خوب شعر بھی کہتے تھے مگر ہجو کہنے میں جواب نہ رکھتے تھے۔ اس وجہ سے بھی اور ان کے علم و فضل کے سبب بھی ان کے دور کے لوگ ان کا بہت احترام کرتے اور ان سے ڈرتے بھی تھے۔ یاقوت کا بیان ہے کہ وہ بہت بری طرح کھاتے۔ کھانے کے آداب سے واقف تو خوب تھے مگر ان کا لحاظ نہ رکھتے تھے۔ اچھے لباس کے فوائد سے بھی آگاہ تھے، مگر اچھا لباس کبھی نہ پہنا۔ ان کا لباس عموماً گندہ ہوتا۔ جب تک پھٹ نہ جاتا۔ اسے نہ دھوتے اور نہ بدلتے۔ جوتے کا بھی یہی حال تھا وہ بھی کبھی ڈھنگ کا نہ پہنا، اس کے باوجود لوگ انہیں برداشت کرتے خصوصیت سے وزیر ابی محمد المہلبی، جس کے اقتدار کے سامنے خلفا بھی خم کھاتے، ابوالفرج اصفہانی کا بہت احترام کرتے۔ یاقوت نے ایک قصہ بیان کیا ہے کہ ایک بار ابوالفرج وزیر کے دسترخوان پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ ان کے گلے میں بلغم پھنسا، انہوں نے جو تھوکا تو کھانے کی ایک بڑی رکاب میں جا گرا۔ وزیر مہلبی نے اسے آپ اپنے ہاتھ سے اٹھا کر پرے کر دیا۔ اس وقت آں کے چہرے پر نہ کوئی شکن تھی اور نہ کراہت۔ خود ابوالفرج

ملے ایا یاقوت صد ۱۰۱، صد ۱۰۲

کو بھی اپنی غلطی کا احساس نہ تھا کیونکہ وہ ایسی حرکات کے عادی تھے۔

بہر حال ابوالفرج اپنے دور میں بہت محترم سمجھے جاتے، اور اپنی بعض والہانہ حرکات کے باوجود ہر جگہ رسائی پاتے تھے۔

گندے رہنے اور رہنے کے آداب ملحوظ نہ رکھنے کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ ہر وقت اپنی کسی نہ کسی کتاب کی ترتیب میں عملی یا ذہنی طور پر الجھے رہتے اور انہیں اتنی فرصت نہ ملتی کہ وہ ظاہری آداب کا لحاظ رکھتے بعد میں انہیں کبھی کبھی کافی فرصت ملی، مگر شروع میں جس بات کے عادی ہو چکے تھے وہ طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔

یاقوت نے لکھا ہے کہ وہ جب وزیر المہلبی سے ملنے آتے تو وزیر صاحب اپنی مسند پر انھیں اپنے پہلو میں بٹھاتے۔ اور ایک بار تو جب تنہا ہی دونوں تھے، ان کے منہ سے اپنی ہجو بھی سنی اور اسے بھی اپنے لئے فخر سمجھا۔ مہلبی اور ان میں بہت گہری دوستی تھی۔ یہ دوستی قبل وزارت شروع ہوئی تھی اور صرف موت اسے توڑ سکی۔ کوئی اور ابتلاء اسے توڑنے میں کامیاب نہ ہوئی تھی۔[1]

الاصفہانی کی ساری تصانیف کے نام حسب ذیل ہیں:

کتاب الاغانی الکبیر۔ کتاب مجرد الاغانی۔ کتاب التعدیل والانتصاف فی اخبار القبائل وانسابہا۔ کتاب مقاتل الطالبین۔ کتاب اخبار القیان۔ کتاب الاماء الشواعر۔ کتاب المالیک الشعراء، کتاب ادباء الغرباء۔ کتاب الایامات۔ کتاب تفضیل ذی الحجہ۔ کتاب الاخبار والنوادر۔ کتاب ادب السماع کتاب اخبار الطفیلیین، کتاب مجموع الاخبار والاثار، کتاب الخمارین والخمارات۔ کتاب الفرق والمعیار فی الاوغاد والاحرار۔ کتاب دعوۃ التجار۔ کتاب اخبار جحظۃ البرمکی۔ کتاب جمہرۃ النسب۔ کتاب نسب بنی شیبان۔ کتاب نسب بنی عبد شمس۔ کتاب نسب المہالبہ۔ کتاب نسب النعمان المنذرین۔ کتاب مناجیب الخصیان۔

ان کتابوں کے علاوہ ابوالفرج نے اندلس کے خلفائے بنو امیہ کے لئے بھی کئی کتابیں لکھی تھیں۔

---

[1] یاقوت جز ۱۳، صفحہ ۱۰۵، ۱۰۹،

یہ کتابیں، وہ ان خلفاء کے اصرار پر لکھتے رہے اور خلفاء انھیں ان کا صلہ بھیجتے رہے۔ وہ خود بھی نسباً اموی تھے۔ مروان بن محمد آخری اموی بادشاہ کی نسل میں تھے۔[1] ۲۸۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۵۶ھ میں انتقال فرمایا۔

ابن قتیبہ

البلاذری کے بعد بغداد کے جس بڑے مورخ نے شہرت پائی وہ عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ الدینوری تھے۔ الخطیب کے بیان کے مطابق وہ یوں تو بغداد کے رہنے والے تھے لیکن تھوڑی مدت دینور کے قاضی بھی رہے۔ اس لئے الدینوری مشہور ہوئے۔ البتہ ان کے والد مروزی تھے۔ جناب اسحاق بن راہویہ، محمد بن زیاد الزیادی اور ابی حاتم جیسے بڑے آئمہ حدیث سے حدیث پڑھی[2]۔ تاریخ و ادب اور نحو میں بھی خوب نام پیدا کیا۔

سیوطی نے ان کا ذکر بغیۃ الوعاۃ میں کیا ہے، جو نحاۃ کی تاریخ ہے اور انھیں نحوی و لغوی قرار دیا ہے[3]۔ ابن الندیم غالباً پہلے مورخ ہیں جنھوں نے ان کا تذکرہ لکھا۔ ان کے نزدیک وہ کوفی تھے بغدادی نہ تھے۔ وہ ان کے دینوری مشہور ہونے کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ وہ دینور کے قاضی بنائے گئے تھے۔ ابن الندیم نے انہیں صادق الروایۃ عالماً باللغۃ والنحو وغریب القرآن قرار دیا ہے۔ وہ شعر، فقہ اور دوسرے علوم میں بھی ماہر تھے۔ انھوں نے بہت سی تصانیف کیں جن میں سے ابن الندیم نے بارہ کتابوں کا ذکر کیا ہے[4]۔ الخطیب نے ان کی مشہور تصانیف میں حسب ذیل کتابوں کے نام لکھے ہیں:۔

غریب القرآن، غریب الحدیث، مشکل القرآن، مشکل الحدیث، ادب الکاتب، عیون الاخبار، کتاب المعارف[5]۔ سیوطی نے ان ناموں میں اعراب القرآن، معانی القرآن، مختلف الحدیث، جامع النحو، الخیل، دیوان الکتاب، خلق الانسان، دلائل النبوۃ، الانواء،

۱۔ یاقوت جزء ۱۳ صفحہ ۱۰۱؛ ابن خلکان جزء ۲ صفحہ ۲۴۲۔ ۲۔ ابن الندیم صفحہ ۷۷؛ الخطیب جزء ۱۰ صفحہ ۱۷۰۔

۳۔ السیوطی "بغیۃ الوعاۃ" صفحہ ۲۹۱؛ ۴۔ ابن الندیم الفہرست صفحہ ۷۷، ۷۸؛ ۵۔ الخطیب جزء ۱۰ صفحہ ۱۷۰۔

اصلاح غلط ابی عبید، جامع النحو الصغیر، المسائل والاجوبہ القلم والجوابات الحاضرہ، طبقات الشعراء اور الرد، کا اضافہ کیا ہے[1] جن میں سے ہمارے دور میں الشعر والشعراء کتاب المعارف اور الامامت والسیاستہ نے بہت شہرت پائی ہے۔ الشعر والشعراء، شعرا کا سب سے پہلا تذکرہ ہے۔ حقیقت میں شعر و شاعری پر اس سے پہلے کوئی کتاب نہ لکھی گئی تھی۔ اور یہ شرف بنو عباس کے حصّہ میں آیا کہ ابن قتیبہ نے ان کے زمانہ میں شعر و شعراء کی تاریخ لکھ ڈالی۔ اور یہ اتنا بڑا کام کیا جس پر پہلے علماء متوجہ نہیں ہوئے تھے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض محدثین نے، ابن قتیبہ کو حدیث و قرآن کے علوم میں حجت نہیں مانا، مگر خطیب نے انہیں ثقہ اور دیناً فاضلاً قرار دیا ہے۔ اسی طرح ذہبی نے انہیں بہت بڑا عالم قرار دیا ہے۔ لیکن انھیں محدث نہیں مانا۔ ان کی رائے تھی وہ قلیل العمل فی الحدیث تھے[2]

الحاکم نے ان پر جو جرح کی تھی، الذہبی نے میزان الاعتدال میں اس کا جواب دیا ہے۔ الحاکم بہت بڑے امام تھے اور ان کی دیانت پر شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن الذہبی کی یہ بات کتنی صحیح ہے کہ کسی کو کذّاب کہنا اور یہ دعوٰی کرنا کہ اجمعت الامۃ علی ان القیتبی کذاب۔ ایک ایسے شخص کا کلام ہے جو خدا سے نہیں ڈرتا۔ پھر فرمایا کہ امت سوائے دجال و مسلیمہ کے کذب کے کسی دوسرے پر متحد نہیں ہوئی[3]۔ گمان ہوتا ہے کہ الحاکم نے ان کے بارے میں کچھ زیادہ تحقیق نہ کی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ابن قتیبہ کی کچھ روایات الحاکم کے نزدیک صحت سے خالی ہوں۔ لیکن ابن قتیبہ نے جس وقت تالیف و تصنیف کا کام شروع کیا تھا اس وقت چند کتابوں کے سوا حدیث میں کوئی دوسری کتاب مرتب نہ ہوئی تھی۔ اور نہ رجال و روایات کی پرکھ کا کام ہی تکمیل کو پہنچا تھا۔

ہمارے نزدیک ذہبی کا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ وہ حدیث میں مستند نہ تھے۔ وہ قلیل الحدیث تھے۔ ان کا کمال، ادب، نحو، تاریخ میں نظر آتا ہے۔ اور ان کی چاروں کتابیں المعارف، الامامۃ والسیاستہ، الشعر والشعراء اور ادب الکاتب، تاریخ شعر و ادب ہی میں نہیں، تاریخ و سیر میں بھی

---

[1] بقیۃ الوعاۃ صفحہ ۲۹۱، [2] الذہبی تذکرہ جزء ۲ صفحہ ۲۰، [3] میزان الاعتدال جزء ۲ صفحہ ۔

بہت اہم دستاویزیں ہیں۔

الشعر والشعراء یا طبقات الشعراء، مصنّف کی ساری تصانیف میں زیادہ اہم ہے۔ دنیا کے تقریبا قریب تمام بڑے بڑے کتب خانوں، برلن، دمشق، پیرس، ویانا، قاہرہ اور لندن میں اس کے مخطوطہ نسخے موجود ہیں جن میں سے دمشق اور قاہرہ کے نسخے بہت صحیح سمجھے گئے ہیں۔ لندن کا نسخہ بھی بظاہر دمشق کے نسخہ سے نقل کیا گیا ہے۔ جب ڈی غویہ مستشرق نے اس کتاب کو چھاپا تو اسی نسخے کے مطابق چھاپا۔

ہماری دوسری نادر تصانیف کی طرح الشعر والشعراء بھی ڈی غویہ نے پہلے پہل ۱۸۷۵ء میں لیدن سے چھاپی۔ لیدن ہی میں یہ دوبارہ سنہ ۱۹۰۲ء میں چھاپی گئی۔ مصر میں پہلی بار یہ سنہ ۱۳۲۲ھ میں چھپی۔ پھر سنہ ۱۳۵۰ھ (سنہ ۱۹۳۲ء) میں مطبع معاہد سے یہ زیادہ اہتمام کے ساتھ چھاپی گئی۔ مگر یہ ساری کی ساری کتابیں نامکمل تھیں، مکمل کتاب پہلی بار یورپین طبع کے بعد احمد محمد شاکر نے دار احیاء کتب العربیہ کی طرف سے دو حصوں میں طبع کی ہے۔ انھوں نے لندن کے مطبوعہ نسخوں اور قاہرہ کے مخطوط نسخوں سے مقابلہ کرتے اور پھر اغلاط پر قابو پانے میں بہت محنت سے کام لیا ہے۔ یہ نسخہ دو حصّوں پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ ابن قتیبہ نے خود ہی اپنے دیباچہ میں تصریح کی ہے، انھوں نے اس کتاب میں بڑے شعراء کے نام، لقب، کنیتیں، زمانہ اور اقدار اور ان کے اشعار کے احوال سے بحث کی ہے۔ ساتھ ہی انھوں نے اقسام شعر اور طبقات پر بھی روشنی ڈالی ہے اور ان وجوہ کو بھی بیان کیا ہے جن کے سبب بعض اشعار زیادہ پسند کیے گئے۔

ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ ان کا مقصود زیادہ تر وہ اشعار تھے جو مشہور تھے یا جنہیں بڑے ادیب پہچانتے تھے۔ اور جن کے اشعار ادب و حدیث و نحو میں حجّت مانے گئے ہیں۔ ساتھ ہی انھوں نے یہ التزام بھی کیا ہے کہ صرف ان شعراء کا ذکر کریں جن پر شعر غالب تھا[1]۔ دیباچہ کے بعد مصنّف نے کچھ اقسام الشعر بھی گنوائی ہیں جو پچاس صفحے تک پھیلی ہیں۔ اس کے بعد اوائل الشعراء کا ذکر کرتے ہیں

---

[1] الشعر والشعراء جزء اوّل ص۱ تا ص۸،

امراء القیس بن حجر سے آغاز کیا ہے۔ اور مسکین دارمی پر پہلی جلد ختم کی ہے۔ کل ۲۰۹ شعراء کا ذکر پہلی جلد میں سمایا ہے۔

دوسری جلد کا آغاز عمرو بن ابی ربیعہ سے کیا ہے۔ جو عربی غزل کا بادشاہ تھا اور خاتمہ اشجع السلمی پر کیا ہے جو برامکہ کے عروج کے زمانہ میں بہت اونچا شاعر سمجھا جاتا تھا اور جس نے یحییٰ بن خالد کی تعریف میں بہت سے اشعار کہے تھے[1]۔ اس کتاب کے بعد گو کئی اور تذکرے لکھے گئے جن میں الاغانی اور معجم الادباء تو اپنی مثال آپ ہیں، لیکن تقدیم ابن قتیبہ کو حاصل ہے جنھوں نے بنو عباس کے دور میں سب سے پہلے اس اہم کام کا آغاز کیا۔

ابن قتیبہ کی کتاب المعارف بھی ایک طرح سے رجال کا تذکرہ ہے جس میں ابن قتیبہ نے قریب قریب تمام ان بڑی شخصیتوں کا ذکر کیا ہے جو ان کے وقت تک ممتاز ہوئیں۔ یہ کتاب ایک جلد میں ہے اور مصر سے کئی بار چھپی ہے اور تاریخ اسلام اور رجال پر لکھنے والے متاخرین نے اسے مستند ماخذ تسلیم کیا ہے۔

الامامۃ والسیاسۃ تاریخ کی کتاب ہے جو درمیانی تختی کے دو اجزا میں مصر سے چھاپی گئی ہے۔ پہلا حصہ ۱۰۱ اور دوسرا ۱۳۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ ابن قتیبہ نے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ سے لے کر مامون کے زمانہ تک کے حالات کو اختصار سے بیان کئے ہیں لیکن کہیں کہیں بعض ایسی کیفیات کی اچھی خاصی تصریح کی ہے جو ان کے نزدیک نسبتاً زیادہ اہم تھیں۔ مثلاً موسیٰ بن نصیر کے آغاز و انجام کے متعلق انھوں نے جو تفصیل دی ہے وہ بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے اور تاریخ اسلام کا ایک قیمتی سرمایہ ہے۔ المعارف اور الشعر والشعراء کی طرح الامامۃ والسیاسۃ بھی متاخرین کے نزدیک بڑی قابل قدر ماخذ ہے۔ ہم نے خود بہت سی باتیں اس کتاب سے اخذ کی ہیں۔

ابن خلدون اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں، کہ اصول فن ادب اور اس کے ارکان چار دیوان ہیں۔ ادب الکاتب (ابن قتیبہ) کتاب الکامل المبرد، البیان والتبیین جاحظ اور ابی علی قالی کی کتاب النوادر

---

[1] الشعر والشعراء جزو دوم ص ۵۸۵

ادب الکاتب کی اشاعت کا سہرا بھی مغربی علماء کے سر ہے۔ استاد اسیر دل نے لیبسک سے ۱۸۷۷ء میں چھاپی مصر کے مطبع شرقیہ اور مطبع اتحاد سے بھی چھپ چکی ہے۔

اعیون الاخبار یوں تو ایک جلد کی کتاب ہے مگر اس کے اندر دس کتابیں شامل ہیں۔ کتاب السلطان، کتاب الحرب، کتاب السواد، کتاب الطبائع والاخلاق، العلم، الزہد، الاخوان، الحوائج، الطعام اور النساء۔ اس کا پہلا حصہ مصر کے مطبع شرقیہ سے ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا۔ اس کے چار حصے یورپ سے مختلف اوقات میں چھپے پہلا کتاب السلطان (برلین سے ۱۹۰۰ء میں۔ دوسرا الحرب (استراسبرگ سے ۱۹۰۳ء میں تیسرا السواد ۱۹۰۶ء میں اور چوتھا الطبائع ۱۹۰۸ء میں طبع ہوا۔

ابن قتیبہ ۲۱۳ھ میں پیدا ہوئے ۲۷۳ھ میں انتقال فرمایا یہی خیال ابن الندیم نے الفہرست میں ظاہر کیا ہے۔ الخطیب کی روایت اس سے مختلف ہے وہ فرماتے ہیں کہ ابن قتیبہ نے ۲۷۶ھ ہجری میں انتقال فرمایا۔ ابن خلکان نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے۔ ابن کثیر بھی یہی فرماتے ہیں[۱]

ابوحنیفہ الدینوری

ابوحنیفہ احمد بن داؤد الدینوری نے اپنی کتاب اخبار الطوال کے سبب ہماری تاریخ میں بڑا نام پایا ہے۔ یہ کتاب پہلے پہل لنڈن سے ۱۸۸۸ء میں طبع ہوئی۔ ابن الندیم نے ابوحنیفہ الدینوری کی اہم تصانیف میں اخبار الطوال کے علاوہ کتاب النبات الشعر والشعراء[۲] اور کئی دوسری کتابوں کا بھی ذکر کیا ہے (مگر ہماری نظر اخبار الطوال کے سوا کسی دوسری کتاب پر نہیں پڑی) اخبار الطوال، چار سو صفحے کی ایک مختصر سی کتاب ہے جس میں ابوحنیفہ الدینوری نے آدم کی تخلیق سے لے کر المعتصم تک کے حالات بیان کرنے کی کوشش کی ہے زیادہ زور بنو عباس اور بنو امیہ کی باہمی چپقلش اور بعض عرب قبائل کی اہلی زندگی پر دیا ہے اس باب میں یہ کتاب ایک بہت قیمتی تاریخی دستاویز ہے۔

ابوحنیفہ الدینوری مؤرخ ہونے کے علاوہ منجم، نحوی، لغوی اور حاسب بھی تھے۔ ابن السکیت کے بڑے اور ممتاز شاگرد تھے۔ تمام علوم ان[۳] سے سیکھے۔ بصرہ اور کوفہ میں زیادہ عمر گذاری۔ یاقوت نے

---

[۱] ابن خلکان جز ۱ ص ۲۴۶؛ الخطیب جز ۱۰ ص ۱۷۱؛ ابن کثیر واقعات ۲۷۶ھ؛ [۲] ابن الندیم الفہرست ص ۷۸؛

ابوحنیفہ الدینوری کے علم وفضل کی بہت تعریف کی ہے۔ یاقوت کے الفاظ ہیں کہ "وہ نوادر الرجال میں سے تھے، حکمت، فلسفہ، بیان العرب اور علم النحو میں ید طولیٰ رکھتے تھے[۱]" یاقوت فرماتے ہیں کہ ان سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابوحنیفہ الدینوری نے "قرآن" پر بھی ایک ضخیم کتاب ۱۳ جلدوں میں تصنیف کی تھی۔ لیکن یاقوت سے نہ دیکھ سکے تھے۔ نہ ان کے وقت میں یہ کتاب کہیں موجود تھی ۲۸۱ھ یا ۲۸۲ھ میں وفات پائی[۱]۔

ابن جریر الطبری

گو ابن جریر سے پہلے کئی بڑے مورخوں نے بنوعباس کے عہد میں تاریخ کی تدوین و تالیف میں بڑا نام پایا لیکن ابن جریر طبری کی بات ہی اور تھی۔ انھوں نے اپنے غیر معمولی علم، بے پناہ ذہانت اور انتہائی دیانت و احتیاط کے سبب عرب تاریخ میں ایک بالکل نئے باب کا آغاز کیا، ابن جریر طبری کا تاریخ میں وہی پایہ ہے جو حدیث میں امام بخاری کو نصیب ہوا۔ یہ امر واقع ہے کہ طبری سے پہلے تاریخ کی کیفیت وہی تھی جو حدیث کی امام بخاری سے پہلے تھی۔ گو ابن اسحاق، واقدی، ابن سعد، ابوالفرج اصفہانی، المدائنی اور البلاذری جیسے بلند رتبہ مورخین سامنے آچکے تھے لیکن انھوں نے اپنی عظمت و بزرگی کے باوجود تاریخ میں وہ احتیاط نہ برتی جس کی ضرورت تھی۔ ان میں سے بعض نے اسناد کا لحاظ تو کیا مگر متن میں ابہام اور اشکال باقی رہنے دیا۔ نہ ان کا اجمال منطقی تھا اور نہ تفصیل۔ ان میں سے بعض نے روایات کی چھان بین کو بھی ضروری نہ سمجھا اور جنھوں نے یہ کام کیا ان کے تذکرے مکمل نہ تھے۔

بہرحال طبری نے اپنے اونچے علم اور غیر معمولی فضل و کمال کو کام میں لا کر تاریخ الامم والملوک کے نام سے جو تاریخ مرتب کی وہ اپنے حسن، اپنی خوبی، جامعیت، استدلال، احتیاط اور تکمیل کے لحاظ سے پچھلی تمام تاریخوں سے بازی لے گئی۔ اور اس کا سبب محض یہ تھا کہ ابن جریر بہت بڑے عالم اور غیر معمولی محتاط تھے یاقوت ان کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے "فکان احد ائمۃ العلما

---

[۱] ایضاً، یاقوت حموی جزء ۳ ص ۲۶، ص ۲۷۔

یحکم بقولہ ویرجع الی رایہ لمعرفتہ وفضلہ وکان قد جمع من العلوم مالم یشارکہ فیہ احد من اہل عصرہ[۱] (یعنی) وہ علماء کے ائمہ میں سے ایک تھے۔ انکا قول لوگوں کے لئے دلیل تھا۔ لوگ ان کی معرفت علمی فضیلت کے سبب ان کی طرف رجوع کرتے ان میں علوم کی جو جامعیت موجود تھی وہ ان کے کسی دوسرے ہم عصر میں نہ پائی گئی۔

طبری حافظ قرآن، احکام کی سمجھ رکھنے والے، عالم سنن، عارف اقوال صحابہ وتابعین، اختلاف فقہا، اور تاریخ میں اپنی مثال آپ تھے۔ تاریخ اسلام کے یہ یگانہ فرد طبرستان کے ایک قصبہ آمل میں ۲۲۴-۲۲۵ھ میں پیدا ہوئے آٹھ سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا اور نو سال کے ہوئے تو حدیث پڑھنی شروع کی پہلے کچھ مدت تک آمل ہی میں رہے۔ پھر رے آئے جو اس نواح کا سب سے بڑا علمی مرکز تھا۔ محمد بن حمید رازی اور مثنیٰ بن ابراہیم دو بڑے استاد وہاں الگ الگ تعلیم دیتے تھے۔ یہ دونوں کی خدمت میں حاضر ہوتے اور دن رات ان سے سماع کیا۔ یاقوت کا بیان ہے کہ انھوں نے ایک روایت کے مطابق ابن حمید سے ایک لاکھ سے زیادہ احادیث لکھیں تفسیر بھی انھوں نے ابن حمید سے پڑھی تھی۔ ان کے شوق کا یہ عالم تھا کہ وہ ایک وقت ابن حمید کے حضور حاضر ہوتے اور دوسرے وقت ان ہی کے پاس جاتے۔ اور احمد بن حماد دولابی سے پڑھنے کے لئے کئی میل کا سفر روزانہ طے کرتے اور جب لوٹتے بہت تھکے ہوتے، مگر آتے ہی ابن حمید کی خدمت میں پہنچ جاتے۔[۲]

جب وہ بغداد آئے تو ما وراء النہر کے تمام علماء کا علمی ذخیرہ اپنے دامن میں بھر چکے تھے بغداد پہنچ کر انھوں نے وہاں کے شیوخ سے کسب فیض کیا۔ وہاں سے بصرہ گئے اور وہاں کے شیوخ سے جو سیکھ سکتے تھے سیکھا پھر واسطہ پہنچے اور پھر کوفہ آئے۔ دونوں جگہوں کے شیوخ سے بھی فیض پایا۔ خصوصیت سے ابو کریب سے جو وہاں کے اصحاب الحدیث میں بہت ممتاز تھے، بہت کچھ پڑھا۔ ابو کریب ان کا بہت خیال کرتے اور انہیں اپنے ذخیرہ علمی سے مٹھیاں بھر بھر کر دیتے۔[۳] وہ بہت دن ان کی خدمت

۱۔ یاقوت معجم جزء ۱۸ صفحہ ۴۲۔ ۲۔ الخطیب جزء ثانی صفحہ ۱۶۳-۱؛ ابن خلکان جزء ۳ صفحہ ۳۳۲، ۳۔ یاقوت حموی معجم جزء ۱۸ صفحہ ۵۰ تا ۵۵،

میں حاضر رہے۔ یہاں تک کہ ایک لاکھ احادیث ان سے سماع کیں۔

ابن جریر کوفہ سے بغداد لوٹ کر آئے تو وہ خود علم کا بہت بڑا مخزن تھے۔ وہ خود اس کے اہل تھے کہ لوگ ان سے فیض پاتے کافی دن تک وہ بغداد میں رہے۔ لیکن ابھی ان کا ذوق تشنہ تھا اور وہ محسوس کر رہے تھے کہ مصر، شام اور دوسرے علمی مرکزوں کے علمی ذخیروں تک نہیں پہنچے اس لئے انھوں نے ایک بار پھر سفر اختیار کیا اور شام کے تمام بڑے علمی مراکز کے علما سے علم حاصل کرتے مصر جا پہنچے۔ اور فسطاط کے اساتذہ خصوصیت سے شافعی اور مالکی آئمہ سے ان کی روایات پڑھیں اور ان کی فقہ پر عبور حاصل کیا۔

طبری نے خصوصیت سے ابوالحسن علی بن سراج مصری سے بہت کچھ سیکھا۔ ابن سراج کے علاوہ انھوں نے مشہور عالم فقیہ امام مزنی سے بھی رجوع کیا۔ اور چونکہ خود بہت اونچے علم کے مالک تھے اس لئے ان سے بہت سے مسائل پر مناظرہ بھی کیا۔

وہ جب مصر پہنچے تو ان کی عمر چھبیس سال کی تھی[1]۔ لیکن انھوں نے علم میں اتنا اونچا مقام حاصل کر لیا تھا کہ مصر کے تمام علماء ان سے ان کے علمی مقام کے سبب ملاقی ہوئے اور ان کے علمی تبحر کا امتحان کیا۔ مصر کے اس سفر نے ان کو جامع کمالات علوم مروجہ بنا دیا تھا۔ مصر میں ایک مدت رہنے کے بعد وہ بغداد لوٹے، پھر وہاں سے وطن کا سفر کیا۔ کچھ دیر وطن میں رہنے کے بعد بغداد تشریف لے آئے۔ اور وہیں بس گئے۔ ان کی عمر اس وقت تیس سے بڑھ گئی تھی۔ اور وہ اپنے علم و فضل کے سبب شہرۂ آفاق تھے۔ ان میں اپنی نظر پیدا ہو گئی تھی اور اجتہاد کی ساری منزلیں طے کر چکے تھے۔ اس لئے وہ آئمہ اربعہ کی تقلید کو ضروری نہ سمجھتے تھے اور اپنی آزادانہ رائے کا اظہار کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ابوعبداللہ الجصاص اور جعفر بن عسرفہ اور کئی اور علما نے جو مقلدین میں سے تھے، ان پر جرح کی اور متعصب بنا۔ خصوصیت سے حنبلیوں نے تو ان پر خروج کیا اور ان کے مکان پر پتھر برسائے۔ یاقوت کے بیان کے مطابق حنبلیوں نے ان سے پوچھا: کیا خدا عرش پر بیٹھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا:

---

[1] یاقوت معجم الادبا جزء ۱۸ صفحہ ۵۵۔

نہیں، خدا عرش پر نہیں بیٹھا۔ اور یہ شعر پڑھا:۔

سبحان من لیس لہ انیسٌ ولا لہ فی عرشہٖ جلیسٌ

ان کا یہ خیال حنبلیوں کے عقیدہ کے خلاف تھا۔ حنبلیوں نے اس اختلاف کو برداشت نہ کیا۔ اور ہزاروں کی تعداد میں ان پر پل پڑے اور اُن کے مکان پر خوب پتھر برسائے، یہاں تک کہ داروغہ پولیس کو فوج کی مدد سے ان کی حفاظت کرنی پڑی۔

یاقوت کے بیان کے مطابق ابن جریر اس حد تک جانے کے لئے تیار نہ تھے۔ وہ اختلافی مسائل پر یوں الجھنے کے عادی نہ تھے، اس لئے انھوں نے حنبلیوں سے معذرت کی، امام احمد بن حنبلؒ کی تعریف میں کچھ الفاظ لکھ کر ان کو بجھوائے، اور خود تصنیف و تالیف میں لگ گئے اور ہر فن اور ہر موضوع پر غیر فانی تالیفات کیں، جو ان کے تبحرِ علمی اور فضل و کمال کا زندہ جاوید اور محکم ثبوت ہیں۔ یاقوت لکھتے ہیں کہ ان کی تصانیف کو جو شہرت نصیب ہوئی وہ کسی دوسرے کے حصہ میں نہیں آئی۔ یاقوت نے ہر فن میں ان کی کتابوں کے نام لکھ کر ان کے علم و فضل کی شہادت دی ہے۔ یاقوت کے بیان کے مطابق وہ تفسیر، فقہ، لغت، شعر، تاریخ و حدیث میں اپنے تمام ہم عصروں سے بازی لے گئے تھے۔ منطق، حساب، جبر و مقابلہ اور طب میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ وہ جب تفسیر بیان کرنے بیٹھتے تو لوگ سمجھتے تفسیر ہی ان کا فن ہے اور ان سے بڑھ کر کوئی دوسرا مفسر نہیں ہے، اور جب حدیث پڑھانے لگتے تو طالبعلم یہی سمجھتا کہ حدیث ہی ان کا فن ہے اور ان سے افضل کوئی دوسرا نہیں ہے۔ یہی کیفیت ان کی ہر علم و فن میں تھی۔

خصوصیت سے تفسیر میں تو انھوں نے غیر معمولی کمال پایا۔ ان کی تفسیر، تفسیر ابن جریرؒ ہمیں دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے، لیکن علماء کا خیال ہے کہ اس سے بہتر کوئی دوسری تفسیر نہیں لکھی گئی۔ یاقوت نے بھی اسی خیال کا اظہار کیا ہے۔ تفسیر طبری کی افادیت کا اندازہ ان موضوعات سے کیا جاسکتا ہے جن پر امام صاحب نے قلم اٹھایا۔ ان میں سے بعض موضوع یہ ہیں۔

---

۱ ، ۲ ، یاقوت معجم جز ۱۸ ص ۵۹ تا ص ۶۳ ۔

قرآن کا اعجاز بلاغت و فصاحت، تاویلِ قرآن، قرآن سات حروف پر نازل ہوا، اختلافِ قرأت، اختلاف قراء، مصادر و لغاتِ قرآن، ناسخ و منسوخ، احکامِ قرآن، اہلِ بدع کے نظریات کا رد، پہلی کتبِ تفاسیر اور پہلے مفسرین کے نظریات۔

یاقوت فرماتے ہیں: "لم یتعرض تفسیرہ غیر موثوق" انہوں نے اپنی تفسیر میں کوئی غیر مصدقہ بات تحریر نہیں کی۔ اور نہ ان مفسرین کا کوئی قول درج کیا ہے جو اونچے پایہ کے نہ تھے اور جو علماء کے نزدیک مجروح تھے۔ اپنی اس تفسیر میں حضرت امام نے بڑے لغویوں اور نحاۃ کے ارشادات سے بھی جابجا سند لی ہے اور کوئی بات بے سند نہیں لکھی۔

تفسیر کے علاوہ انھوں نے قراءات میں ایک ضخیم کتاب لکھی جو اٹھارہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں انھوں نے تمام قراءات پر مفصل اور مستند گفتگو کی ہے۔ یاقوت نے ان کے اس علم کو بھی غیر معمولی قرار دیا ہے۔ قراءات میں امام صاحب نے ایک اور کتاب اختلاف القراء کے عنوان سے لکھی جس میں اپنے وقت تک کے تمام قراء کے حالات بھی تحریر فرمائے۔

تفسیر کی طرح، امام صاحب کا تاریخ کا علم بھی لافانی تھا۔ انھوں نے اس سلسلہ میں جو جدوجہد کی وہ ان ہی کا حصہ تھی۔ یاقوت کا بیان ہے کہ امام صاحب نے سب سے پہلے تاریخ میں "تاریخ الامم والملوک واخبارھم" کے عنوان سے ایک ضخیم کتاب مرتب فرمائی جو زمانۂ معلوم کے ملوک سے لے کر المقتدر کے زمانہ تک کے حالات و واقعات پر مشتمل تھی۔ یاقوت نے اس کی ضخامت پانچ ہزار صفحات[3] بتائی ہے۔ عجیب بات ہے کہ ہماری تاریخ کا یہ عظیم سرمایہ قطعاً ضائع ہونے کو تھا کیونکہ ۱۸۷۵ء سے پہلے اس کے اجزا مختلف جگہوں پر مخطوط حالت میں پڑے تھے اور کوئی مسلمان عالم ان کا نگران نہ تھا۔ ۱۸۷۵ء کے قریب یورپ کے علمائے علوم شرقیہ نے اس کتاب پر توجہ کی۔ علامہ ذی غویہ، علامہ بارث، علامہ نولڈکی اور علامہ لوٹ نے ایک ساتھ مل کر اس کتاب کے مختلف اجزا یکجا کئے، انھیں ترتیب دی، اس پر حواشی لکھے اور چھوٹے کتابی سائز کی تینتیس جلدوں میں اسے شائع

---

[1] یاقوت معجم جز ۱۸ ص ۶۳، [2] ایضاً جز ۱۸ ص ۴۵، [3] ایضاً جز ۱۸ ص ۴

گیا۔ اشاعت کا یہ کام ۱۸۹۲ء میں مکمل ہوا۔[1]

تاریخ میں ان کی دوسری کتاب "ذیل المذیل" ہے۔ اس میں ان صحابہؓ کا الگ الگ ذکر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں رحلت فرما گئے تھے اور جو بعد میں زندہ رہے تھے۔ پھر تابعین اور ان کی موت تک کے حالات بیان کئے ہیں۔ پھر دوسرے علما کا ذکر کیا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے شیوخ کے ذکر سے بھی اس کتاب کو تشنہ نہیں رکھا۔ یہ کتاب ایک طرح کا تذکرہ ہے جو انفرادی شان رکھتا ہے۔

ہمارے نزدیک امام صاحب کی تصنیف "اختلاف علمائے الامصار" بھی تاریخ کی کتاب ہے۔ گو اس کو یہ خصوصی حاصل ہے کہ اس میں فقہ اور علماء کے اختلاف سے بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب بھی انفرادی شان رکھتی ہے۔ اور ان کتابوں میں سے ہے جن کی مثالیں کم مرتب ہوئیں۔ یاقوت اس کتاب کا بہت مداح تھا۔[2]

امام صاحب کی کتاب "الاختلاف الفقہا" بھی ان کی جید تصانیف میں سے ہے اور اس قدر مفید ہے کہ کوئی شخص بھی فقہ پر پورے طور پر اس وقت تک گفتگو کرنے پر قادر نہیں ہوگا جب تک اس کتاب کو نہ پڑھ لے۔ اس موضوع پر یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔

امام صاحب کی ایک اور تصنیف "کتاب الشروط" بھی بڑی اہم تصنیف تھی۔ افسوس ہمیں اس کے بارے میں کچھ زیادہ معلوم نہ ہو سکا۔ یاقوت نے اس کی مختصر تعریف یوں کی ہے:- "وھو من جید کتبہ التی یعول علیھا اھل مدینۃ السلام"[3] امام صاحب کی ایک اور تالیف "لطیف القول فی احکام شرائع الاسلام" تو اپنی مثال آپ ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ مکتبۃ الظاہریہ دمشق میں بھی ہے۔ یاقوت کے نزدیک یہ کتاب "ھو من انفس کتبہ وکتب الفقہا" تھی۔ یاقوت فرماتے ہیں کہ "مذہب میں اتنی عمدہ کوئی دوسری کتاب ان کے وقت تک نہ لکھی گئی تھی۔" امام طبری نے اس موضوع پر ایک اور کتاب بھی تصنیف

---

[1] اکتفاء القنوع ص ۹۸، [2] یاقوت معجم جز ۱۸ ص ۷۲، [3] ایضاً جز ۱۸ ص ۷۳،

فرمائی ہے ۔

امام صاحب کی ایک اور کتاب "کتاب الخفیف" بھی ان دنوں بہت مشہور ہوئی ۔ یہ احکام پہ امام صاحب کی مختصر ترین تصنیف ہے جو اختصار کے باوجود چار سو ورقوں پر مشتمل ہے ۔

تہذیب الآثار کے نام سے امام صاحب نے جو کتاب تصنیف کی تھی اس کے بارے میں ابوبکر بن کامل فرمایا کرتے :۔ "ھذا کتابٌ یتعذّر علی العلماء عملُ مثلہٖ و یصعبُ علیھم تتمّتہٗ" یہ ایک ایسی کتاب ہے جس جیسی کوئی دوسری کتاب لکھنے سے علماء معذور ہیں اس کا اتمام ان کے لئے بہت مشکل کام ہے ۔

امام صاحب کی تصانیف ہیں ، یہ کتابیں بھی بہت اہم سمجھی گئی ہیں :۔

کتاب بسیط القول فی احکام شرائع الاسلام ۔

اس کتاب کے دو حصے ہیں ۔ پہلے حصہ کا عنوان "مراتب العلما" ہے ۔ یہ کوئی دو ہزار صفحات پر مشتمل ہے ۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگردوں سے لے کر اپنے اساتذہ تک کے فقہی کمالات و اجتہادات ، مسلک ، طریق کار اور حالات پہ بحث کی ہے ۔ دوسرے حصہ میں ، جس کا نام "آداب القضاۃ" ہے ، قاضی کے شرائط ، احکام اور دوسرے فقہی مسائل پر روشنی ڈالی ہے ۔

کتاب آداب النفوس الجیدہ والاخلاق :۔

یہ اخلاقی کتاب ہے جس میں نیک باتوں کی تلقین ، فوائد اور دوسرے شریفانہ اخلاق کا بیان ہے ۔

ان کے علاوہ بھی امام صاحب نے کئی اور تصانیف کیں ۔ ابن کامل کے بیان کی رو سے وہ اپنے زمانہ کے تمام علما سے سبقت لے گئے تھے ۔ ان کا زیادہ وقت تصنیف و تالیف میں گذرا ۔ کوئی چھبیس برس کی عمر تک وہ مختلف مقامات کے سفر کرتے اور مختلف علوم و فنون میں مہارت حاصل کرتے رہتے ۔ اس کے بعد وہ بغداد آ کر تصنیف و تالیف پر متوجہ ہو گئے ۔

یاقوت فرماتے ہیں کہ ان کے شاگردوں نے ان کی جوانی کے وقت سے لے کر ان کی موت

لہ :۔ یاقوت معجم جز ۱۸ صفحہ ۵

کے وقت تک ان کی عمر کا شمار کیا پھر ان کی تصنیف کی ہوئی کتابوں کے صفحات کا جائزہ لیا اور ان کے اندازے سے ان کے روزانہ کام کی اوسط چودہ صفحات نکلی۔ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کے شاگردوں نے ان کی تصانیف کا آغاز کس عمر سے کیا۔ اگر انہوں نے ان کی تصانیف کا شمار ۱۸-۲۰ برس سے کیا ہوتا تو ان کے روزانہ کام کی اوسط اس سے بھی زیادہ نکلتی ہے۔

(باقی آئندہ)

اقبال کا نظریۂ اخلاق

پروفیسر سعید احمد رفیق

اقبال کے فلسفۂ حیات میں انفرادی اور اجتماعی اخلاق اور اخلاقی اقدار کی جو اہمیت ہے اس کے مختلف پہلوؤں کو واضح کیا گیا ہے۔

قیمت مجلد ۴ روپے ——— غیر مجلد ۳ روپے

تہذیب و تمدن اسلامی

مصنفہ:- رشید اختر ندوی

حصہ اول: تہذیب اسلامی، صفحات ۴۳۱ قیمت ۶ روپے

حصہ دوم: ہمارا تمدن بنو امیہ کے عہد میں۔ صفحات ۵۹۶ قیمت ۷/۵۰ روپے

حصہ سوم: ہمارا تمدن بنو عباس کے عہد میں صفحات ۴۱۲ قیمت ۷ روپے

ملنے کا پتہ:- سیکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور